مسئلہ تقلید اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

از: مولوی ندیم احمد الواجدی فاضل دیوبند

(قرآن وسیرت سوسائٹی حیدرآباد کے زیر اہتمام منعقدہ ایک علمی اجتماع بتاریخ ۸ راگست ۱۹۷۶ء میں پڑھا گیا)

دینی تجدید کی تاریخ میں امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ذات گرامی ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔ ہندوستان میں جہاں کہیں بھی علم کا چرچا ہے اس کا سلسلہ بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی سکول سے جا کر مل جاتا ہے۔ جہاں بیٹھ کر حضرت شاہ ولی اللہؒ نے زانوئے ادب طے کیا، اور بعد میں جو سکول انہیں کے نام سے مشہور ہوا۔ ولی اللہی سکول جو مدرسہ رحیمیہ کی ایک ارتقائی شکل ہے اپنا ایک مخصوص طرزِ فکر رکھتا ہے۔ یہ ایک انتہائی جامع، ہمہ گیر اور وسیع سکول ہے اس اسکول میں عقل ونقل اور کشف والہام کا بڑا خوبصورت اور حسین امتزاج ملتا ہے مگر اس سکول کی ہمہ گیری یا جامعیت کا جو مفہوم ہندوستان کے بعض مکاتبِ فکر نے سمجھا ہے وہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے افکار اور خیالات کی واقعی تعبیر ہرگز نہیں ہے بلکہ سچ پوچھیے تو اس تعبیر کی روشنی میں ولی اللہی فکر کی صحیح قدر و قیمت متعین نہیں ہو سکتی۔ ولی اللہی اسکول کا فکر مبہم، ناقابلِ فہم اور غیر مانوس خیالات کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک صاف ستھرا اور انتہائی واضح فکر ہے، پھر نہ جانے کیسے حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف ایسے خیالات کا انتساب کیا جاتا رہا ہے جن کی تردید خود ان کی کتابوں سے۔ اور بعد میں آنے والے ان کے شاگردوں کے طرزِ عمل سے ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر حضرت شاہ ولی اللہؒ کو ہندوستان کا ایک طبقہ غیر مقلد سمجھتا ہے تعجب یہ ہے کہ اس سلسلے میں ان کی تمام تحریریں تو نظر انداز کی ہی گئی ہیں اس خاص ماحول سے بھی صرفِ نظر کیا گیا ہے جس میں حضرت شاہ صاحبؒ نے آنکھیں کھولیں، پرورش پائی، اور جس کی اصلاح کے لیے آپ کو منصب تجدید سے سرفراز کیا گیا۔ آپ کی علمی تاریخ کا پس منظر اور تلامذہ کا موقف بھی شاہ صاحبؒ کے مسلک کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ مگر اسے بھی نظر انداز کیا گیا۔

میرے لیے یہ انتہائی سعادت کی بات ہے کہ اہلِ علم کے اس اجتماع میں مجھے حضرت شاہ ولی اللہؒ پر مقالہ پڑھنے کی دعوت دی گئی ہے، اس موقع پر میں یہ چاہتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے فقہی مسلک پر مختصر سی گفتگو کروں۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ حیدرآباد میں جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے ایک حلقہ ایسا موجود ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مسلک صحیح طریقے پر پیش نہیں کرتا۔ ایسا کرنا کسی شخصیت کے ساتھ انصاف ہرگز نہیں ہے بلکہ سچ پوچھیے تو یہ ایک بڑا ظلم اور علمی تاریخ کی بڑی بددیانتی ہے اور سب سے زیادہ حیرت تو اس پر ہوتی ہے کہ ہندوستان کے اہلِ بدعت بھی اپنے بے اصل اور خلاف سنت کاموں کے لیے شاہ صاحب کا نام استعمال کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔

شاہ صاحبؒ جنہوں نے سنت کے تصور کو نکھار کر پیش کرنے کے لیے عمر بھر قلم سے جہاد کیا اور بدعت کے خلاف مسلسل جنگ کی اسی بدعت میں ملوث قرار دے دیے گئے ہیں اور بے اصل و لغو کاموں میں ان سے استدلال کیا جانے لگا ہے۔ اللہ جزائے خیر دے علمائے دیوبند کو جنہوں نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے افکار کی صحیح ترجمانی کا بڑا اہتمام کیا، اور اس کی اشاعت میں زبردست حصہ لیا، حلقہ دیوبند سے اپنے انتساب کے باوجود مجھے یہ کہنے میں کوئی تعلّی یا مبالغہ محسوس نہیں ہوتا کہ دیوبند نے ولی اللہی فکر سے وابستگی کا جس قدر حق ادا کیا ہے اور اس فکر کی جس قدر اشاعت کی ہے شاید ہی کسی دوسرے مکتبِ فکر کو اس کی سعادت حاصل ہوئی ہو۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ شاہ ولی اللہؒ کسی بھی دور میں تقلید کے مخالف نہیں رہے ہیں، وہ تقلید کے حامی تھے اور ان مذاہب کے ... کو باز نہیں بلکہ ضروری خیال فرماتے تھے جو دین کی صحیح بنیاد ...

پر مبنی ہوں اور قرآن و سنت سے ماخوذ ہوں۔ اس سلسلے میں ان کا ایک مفصل رسالہ "عقد الجید فی احکام التقلید" ملاحظہ فرمائیے۔ یہ رسالہ آپ نے بعض سوالات کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ رسالے کا خاص موضوع تقلید ہے۔ ضمنی طور پر اجتہاد کی حقیقت۔ اس کی اقسام اور شرائط، مجتہدین کا اختلاف اور اس کے اسباب، مجتہد مطلق اور مجتہد منتسب کی تعریف ان دونوں کا فرق وغیرہ جیسے اہم مباحث بھی آ گئے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کا ایک اور رسالہ "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" بھی ہے۔ اس میں فقہ کے تمام ادوار کا احاطہ کیا گیا ہے اور تقلید کی اہمیت و ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں بھی جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کی گراں قدر اور معرکۃ الآرا تالیف ہے اس کے مباحث ملتے ہیں۔

حجۃ اللہ البالغہ کے ایک مستقل باب میں شاہ صاحبؒ نے مسئلہ تقلید کے موافق و مخالف پہلوؤں پر گفتگو کی ہے۔ ایک جگہ ابن حزمؒ کے اس خیال کی بڑے لطیف انداز میں تردید فرمائی ہے کہ

التقلید حرام ولا یحل	تقلید حرام ہے اور آں حضرت
لاحد أن یأخذ قول	صلے اللہ علیہ وسلم کے علاوہ
أحد غیر رسول الله	کسی دوسرے کے قول کو بغیر دلیل
صلی اللہ علیہ وسلم بلا برھان	کے اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

(صد ۱۵۴ ج ۱)

ابن حزمؒ نے اس [illegible] بھی پیش کی ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ بڑے [illegible] کہ ابن حزم کی رائے صحیح نہیں ہے البتہ انہوں نے یہ [illegible] فرمایا ہے کہ ابن حزم کی اس کا مصداق وہ لوگ ہیں [illegible] وہ جانتے ہیں کہ اس ذیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے [illegible] وہ حکم منسوخ بھی نہیں ہے اور کسی حدیث صحیح سے اس کی تردید بھی نہیں ہوتی مگر اس کے باوجود وہ اس حکم کے مخالف [illegible] اس لیے اتباع کرتے ہیں کہ وہ کسی امام سے منقول ہے۔ شیخ عز الدین کے حوالے سے حضرت شاہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ انتہائی حیرت کی بات ہے کہ مقلد فقہاء اپنے امام کے ماخذ کی کمزوری اور استدلال کے ضعف کے باوجود اس کی تقلید کرتے ہیں (پوری تفصیل حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ صد ۱۵۳ باب حکایت الناس قبل المائۃ الرابعۃ و بعدہا" میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے)

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ شاہ صاحبؒ مطلقاً تقلید کے مخالف نہیں تھے بلکہ اس سلسلہ میں شیخ عز الدین کے مؤید تھے اور ان کی رائے کو پسند فرماتے تھے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر ہم تفصیل سے شاہ صاحبؒ کے خیالات کا جائزہ لیں۔ اپنی کتاب "الانصاف" میں شاہ صاحبؒ نے فقہ کی تاریخ و تدوین اور تقلید کے آغاز و ضرورت پر گفتگو فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

اعلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن الفقہ فی زمان الشریف مدونا ولم یکن البحث فی الاحکام یومئذ مثل البحث من ھؤلاء الفقہاء (صد ۴)

اس زمانے میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ لوگ آپ سے مختلف واقعات کے سلسلے میں شریعت کا حکم دریافت کرتے تو آپ شرعی حکم بیان فرما دیتے۔ لوگوں کو اچھا کام کرتے ہوئے دیکھتے تو اس کی تحسین فرماتے یا خاموشی اختیار فرماتے۔ کوئی غلط فعل دیکھتے تو اس پر نکیر بھی ہوتی۔ اور یہ سب کچھ عام مجلسوں میں بھی ہوتا اور خصوصی مجلسوں میں بھی بعد میں جب فتوحات کا سلسلہ دراز ہوا اور صحابہ مدینہ سے منتشر ہو کر مختلف ملکوں اور شہروں میں پھیلنا شروع ہوئے تو نئے نئے واقعات و حالات پیش آئے صحابہ نے اپنے اجتہاد اور قوت استنباط کے ذریعے فیصلے کیے، یہیں سے مسائل میں تنوع اور فتاویٰ میں اختلاف واقع ہوا۔ ہر جگہ کے لوگ اپنے متعلقہ صحابی کے فتاویٰ پر عمل کرتے۔ دور تابعین میں ان فتاویٰ کی اشاعت خوب کثرت سے ہوئی، ان حضرات نے احادیث کی روشنی میں ترجیح و تطبیق کا غیر منظم کام شروع کیا، بعض فتاویٰ راجح قرار دیے گئے بعض کو مرجوح اور ضعیف کہہ کر ترک کر دیا گیا (الانصاف میں صد ۳ سے صد ۱۴ تک اسی اجمال کی تفصیل ملتی ہے) "عقد الجید" میں شاہ صاحبؒ نے ارشاد فرمایا ہے:- ان الناس لم یزالوا من زمن الصحابۃ الی ان ظھرت المذاھب الاربعۃ یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکارہ، ولو کان ذالک باطلا لانکروہ (صد ۹۳)

اس تفصیل سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ تقلید صحابہ میں بھی رہی ہے اور تابعین میں بھی۔ ہاں تک کسی مسئلے میں غور و فکر کرنے اور غلط کو صحیح سے علیحدہ کرنے کا سوال ہے طبقہ عوام میں اس کی اہلیت پہلے بھی موجود نہیں تھی اس لیے عوام میں تقلید کا وہی مفہوم تھا جو آج بھی رائج ہے، البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ پہلی دو صدیوں میں کسی ایک مذہب کی تقلید ضروری نہیں تھی بلکہ حالات و مواقع کے اعتبار سے مختلف لوگوں کے فتاویٰ پر عمل کر لیا جاتا تھا۔ شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بھی اور "عقد الجید" میں بھی ابوطالب مکی کے حوالے سے یہ بات فرمائی ہے:- ان الناس کانوا فی المائۃ الاولی والثانیۃ غیر مجتمعین علی التقلید لمذھب واحد بعینہ، قال ابوطالب المکی فی قوت القلوب ان الکتب والمجموعات محدثۃ والقول

بخلاف الناس والقبائل بمذهب الواحد من الناس واتخاذ قوله والحکایة له فی کل شیء والتفقه علی مذهبه لم یکن الناس قدیماً علی ذلک فی القرنین الاول والثانی (... ج ۱) البتہ حجۃ اللہ البالغہ میں "فی المائۃ الاولیٰ والثانیہ" کے بجائے "فی المائۃ الرابعۃ" کے الفاظ ہیں۔ یہ ناقل کا سہو معلوم ہوتا ہے ورنہ سب جانتے ہیں کہ ائمہ مذاہب کی تقلید چوتھی صدی ہجری سے بہت پہلے شروع ہو چکی ہے۔ اس کی تائید "الانصاف" کی عبارت سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:- بعد المائتین ظهر فیهم التمذهب للمجتهدین باعیانهم وقل من کان لا یعتمد علی مذهب مجتهد بعینه، وکان هذا هو الواجب فی ذلک الزمان (ص ۶۲)

یہ بھی ممکن ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ میں ایسے ہی کچھ لوگوں کا ذکر ہو جو کسی ایک مذہب کی تقلید کے پابند نہیں ہوتے تھے مگر غیر مقلدوں کی اتنی تعداد تو ہر دور میں ہر جگہ موجود رہی ہے۔

بعد میں جب فقہ کے چاروں مکاتب ظہور میں آئے تو ان کی تقلید شروع ہو گئی اور اس پر امت کا اتفاق ہو گیا کہ ان چار مذاہب کے علاوہ کسی مذہب کی تقلید جائز نہیں ہے۔ حجۃ البالغہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

وهذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من یعتد بها منها علی جواز تقلیدها الی یومنا هذا (ص ۱۵۴ ج ۱)

"عقد الجید" کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مذاہب کے علاوہ کچھ اور بھی مذاہب تھے جن کا بعد میں کوئی وجود باقی نہیں رہا۔

ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة کان اتباعها اتباعا للسواد الاعظم والخروج عنها خروجاً عن السواد الاعظم (ص ۳۸)

اس تقلید کی ابتداء کیسے ہوئی، کیا سبب قرار پایا؟ اس کا جواب بھی حجۃ اللہ البالغہ میں مذکور ہے:-

انهم اطمأنوا بالتقلید، ودب التقلید فی صدورهم دبیب النمل وهم لا یشعرون وکان سبب ذلک تزاحم الفقهاء وتجادلهم فیما بینهم (ص ۱۵۳ ج ۱)

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجتہدین کے مذاہب کی تقلید اور ان کا اتباع ایک ایسا راز ہے جس کا الہام اللہ نے اپنے اہلِ علم بندوں پر کیا ہے اور ان کے سوادِ اعظم کو اس پر متفق کر دیا کہ وہ لوگ ائمہ مذاہب کی تقلید کریں اور اسی دائرے سے باہر نہ جائیں۔ فرماتے ہیں:

وبالجملة فالتمذهب للمجتهدین سر الهمه الله تعالیٰ العلماء وجمعهم علیه من حیث یشعرون او لا یشعرون (الانصاف ص ۵۰)

شاہ صاحبؒ کی رائے میں تقلید شخصی کی ضرورت اب پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ہمتیں پست ہو گئی ہیں۔ دلوں پر خواہشات غالب ہیں اور ہر شخص خود پسندی میں مبتلا ہے۔

وفی ذلک کله من المصالح ما لا یخفی لا سیما فی هذه الایام التی قصرت فیها الهمم جداً واشربت النفوس الهوی، واعجب کل ذی رأی برأیه (حجۃ ج ۱ ص ۱۵۴)

شاہ صاحبؒ ائمہ مذاہب اور دیگر فقہاء کی عظمت کے معترف ہیں۔ ان کے یہاں آج کل کے جاہل مقلدوں جیسا تشدد نہیں ہے کہ وہ اپنے امام کے علاوہ کسی دوسرے کی عظمت کے معترف نہیں ہوتے۔ شاہ صاحبؒ سب کو تسلیم کرتے ہیں اور اسی کی تلقین فرماتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے صاف صاف تحریر فرمایا ہے کہ اپنے امام کی افضلیت کا اعتقاد صحتِ تقلید کے لیے ضروری نہیں ہے اور دلیل یہ ہے کہ حضرات صحابہ اگرچہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی افضلیت پر اتفاق کرتے تھے مگر اس کے باوجود بہت سے مسائل میں وہ ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کی بھی تقلید کرتے تھے اور اس پر کوئی نکیر نہیں ہوتی تھی، اور نہ ان دونوں حضرات کے احترام میں کوئی فرق آتا تھا۔

ورد بان اعتقاد افضلیة الامام علی سائر الائمة غیر لازم فی صحة التقلید اجماعاً لان الصحابة والتابعین کانوا یعتقدون ان خیر هذه الامة ابوبکر ثم عمر وکانوا یقلدون فی کثیر من المسائل بخلاف قولهما، ولم ینکر علی ذلک احد، وکان اجماعاً علی ما قلنا (عقد الجید ص ۳۲)

اس تفصیل سے یہ بات تو واضح ہوئی کہ شاہ صاحبؒ تقلید کو ناپسند نہیں فرماتے تھے، بلکہ اس کے مؤید تھے اور دلائل کے ساتھ اس کی اہمیت و ضرورت محسوس فرماتے تھے۔ پھر بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ خود شاہ صاحبؒ کا مسلک کیا تھا؟ اگر مقلد تھے تو حنفی تھے یا شافعی؟ ان سوالوں کے جوابات کے لیے ذرا تفصیل کی ضرورت ہے۔

اہلِ علم حضرات جانتے ہیں کہ اسلامی قانون کے دو مراکز حجاز اور عراق کے نام سے مشہور ہیں۔ حجاز میں حضرت امام مالکؒ نے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل مدینہ کے تعامل کو سامنے رکھ کر اسلامی قانون مرتب کیا اور اس فقہ کو اپنی کتاب مؤطا میں جمع کیا۔ حضرت امام شافعیؒ نے اسی فقہ کو وسعت دی۔ دونوں فقہوں کی تشکیل بھی حجاز میں ہوئی۔ نشوونما بھی یہیں پایا اور یہیں کے مزاج نے انھیں قبول بھی کیا۔ مدینہ کے بعد عراق علم کا دوسرا بڑا مرکز تھا، فقہ حنفی کی ترتیب و تدوین عراق ہی میں ہوئی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو عراق روانہ کیا تھا۔ بعد میں ان کے ہمال و شاگرد

کے ذریعے اس فقہ کی تدوین عمل میں آئی جو حنفی فقہ کہلاتا ہے۔ عراق اس دور میں دو تہذیبوں کا مجموعہ تھا۔ ایرانی تہذیب اور عربی تہذیب۔ زوال بغداد کے بعد علماء نے وہاں سے مصر کا رخ کیا اور فارسی بولنے والے دہلی چلے آئے۔ اس طرح ایرانیوں کے ساتھ حنفی فقہ بھی ہندوستان چلا آیا اور یہاں مذہب کے طور پر اختیار کر لیا گیا۔

امام ابوحنیفہؒ کے دو مایہ ناز شاگردوں، امام محمدؒ، اور امام ابویوسفؒ کی جدوجہد اور محنت سے اس فقہ کو زبردست فروغ ملا۔ امام محمدؒ نے تصنیف تالیف اور درس و تدریس کے ذریعے اس کی اشاعت کی۔ امام ابویوسفؒ اسلامی حکومت کے قاضی القضاۃ مقرر کئے گئے تو ان کے ذریعے اسے فروغ حاصل ہوا۔ اس طرح اس فقہ میں مہارت رکھنے والوں کی ایک اچھی خاصی تعداد بھی پیدا ہو گئی اور اتنی صلاحیت بھی کہ حکومتوں کا سرکاری مذہب بن سکے۔ ہندوستان میں اسلامی حکومت کے لیے یہ ایک قابل قبول قانون تھا۔ بعد میں دو مرتبہ یہاں ہندوستان میں فقہ حنفی کی تدوین و ترتیب عمل میں آئی۔ ایک مرتبہ عہد تغلق میں، سلطان محمد تغلق کے ایک حاکم امیر تاتار خان نے شیخ عالم بن علا، اندرپتی کی خدمات اس کام کے لیے حاصل کیں۔ فتاوی کی اس کتاب کا نام "فتاویٰ تاتار خانیہ" خود امیر تاتار خان سے منسوب ہے۔ دوسری مرتبہ عہد عالمگیری میں سلطان اورنگزیب نے اس کام کی بہ نفس نفیس نگرانی فرمائی۔ اس مجلس میں جس کے سپرد یہ کام تھا وقت کے ممتاز علماء شامل تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ بھی اس مجلس فقہ کے رکن تھے، سلاطین کی سرپرستی میں یہ مذہب ہندوستان میں فروغ پاتا رہا۔ اسی دور میں امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ کی پیدائش ہوئی۔ اپنے والد شاہ عبدالرحیمؒ سے تعلیم حاصل کی، وہ خود بھی حنفی تھے اور اس وقت کے حنفی الفکر علماء میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ بعد میں شاہ صاحبؒ نے اپنی وسعت مطالعہ، دقت نظر اور بے پناہ صلاحیت کے بدولت اس میدان میں بھی اپنا نقش قائم کیا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ان کا مدرسہ سنبھالا اور ان کے کام کو آگے بڑھایا۔ یہ ۱۱۳۱ھ کی بات ہے، بارہ سال تک درس و تدریس کی زندگی گزارنے کے بعد حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ وہاں کے مشہور اساتذہ کی خدمت میں حاضری دی اور سند اجازت حاصل فرمائی۔ حجاز میں ایک طرف آپ کے استاد شیخ ابوطاہر مدنی شافعی تھے تو دوسری جانب شیخ تاج الدین حنفی بھی تھے۔ اس ملی جلی صحبت نے شاہ صاحبؒ کے طرز فکر کو خاصا متاثر کیا اور فقہ حنفی کے ساتھ ساتھ فقہ شافعی کی اہمیت بھی وہ محسوس کرنے لگے۔ حجاز میں قیام کے دوران شاہ صاحبؒ کا یہ خیال رہا کہ صحاح ستہ کی اصل موطا امام مالک ہے۔ اور موطا احادیث کا پہلا صحیح مجموعہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے قریب ترین ہے۔ اس لیے صحاح ستہ کی بنیاد پر اگر کوئی عالم فتویٰ دے تو وہ فتویٰ قابل ترجیح ہوگا۔ خواہ وہ عالم حنفی ہو یا شافعی۔ حجاز کے قیام نے شاہ صاحبؒ کے دل میں یہ بات بھی ڈال دی کہ ہر فقہ اپنے علاقے کا مزاج رکھتا ہے، حنفی فقہ کا مزاج حجاز میں نہیں ہے۔ وہاں کے بڑے بڑے اہل علم حضرات فقہ شافعی کے پابند نظر آتے ہیں۔ اسی بنیاد پر شاہ صاحبؒ نے دونوں فقہوں کی یکسانیت اور اتحاد پر زور دیا مگر اس شرط کے ساتھ کہ موطا کو حدیث کی جملہ کتابوں اور فقہوں کی اصل قرار دیا جائے۔ اپنی اس تحریک کا مرکز شاہ صاحبؒ نے حجاز مقدس کو قرار دیا۔ مگر وہاں یہ تحریک کامیاب نہ ہو سکی اور آپ کو دہلی واپس چلے آنے کا حکم دیا گیا، شاہ صاحبؒ نے اپنی کتابوں میں ایک تاریخی خواب درج کیا ہے جس میں اجمیر پہلے اور پھر اس کے زمانے کی پوری تفصیل موجود ہے۔ اسی خواب میں آپ کو ملک کی نظام بھی تفویض کیا گیا تھا۔ ہندوستان واپس تشریف لائے تو آپ کے خیالات میں تبدیلی آ چکی تھی۔ (ان واقعات کی تفصیل مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ" "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے)

شاہ صاحبؒ کا خیال تھا کہ ایسے علاقوں میں جہاں صرف فقہ حنفی رائج ہو اور دوسرے فقہاء کی نہ کتابیں موجود ہوں اور نہ ان کے مسائل بتلانے والے تو عام لوگوں کے لیے حنفی فقہ کا اتباع ضروری ہے۔ اس کے دائرے سے باہر نکلنا ان کے لیے جائز نہیں ہے۔

"الانصاف" میں فرماتے ہیں:

فاذا کان انسان جاهل فی بلاد الهند، و بلاد ماوراء النهر وليس هناک عالم شافعي ولا مالكي ولا حنبلي، ولا كتاب من كتب المذاهب وجب عليه ان يقلد بمذهب ابي حنيفة و يحرم عليه ان يخرج من مذهبه؛ لانه حينئذ يخلع عنقه ربقة الشريعة، و يبقي سدا مهملا۔

(صفحہ ۷۰، ۷۱)

حجاز سے واپسی کے بعد شاہ صاحبؒ نے انہی خیالات کا اظہار فرمایا، عام لوگوں کے لیے تقلید کو تو وہ پہلے بھی ضروری خیال فرماتے تھے، ہندوستان واپس پہنچ کر اپنے لیے بھی تقلید ہی کا راستہ اختیار کیا اور اس کی وجہ جیسا کہ فیوض الحرمین میں لکھا ہے یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ صاحبؒ کو وصیت فرمائی تھی کہ ائمہ کی تقلید کی جائے اور ان کے دائرے سے باہر نہ نکلا جائے

ستفدت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثۃ امور خلاف ما کان عندی وما
کان طبعی مائلا الیہ اشد میل ... فصارت ہذہ ... استفدتہا من براہین
الحق علی ... احدہا الوصاۃ بترک الالتفات الی السبب وثانیہا
الوصاۃ بالتقلید ہذہ المذاہب الاربع لا اخرج منہا
والتوفیق ما استطعت، وجبلتی تأبی التقلید، وتأنف
منہ راساً۔ ولکن شیئ طلب منی التعبد بہ بخلاف نفسی۔
وہا نکتۃ طویت ذکرہا۔ وقد نعمت بحمد اللہ بسر ہذا
الحیلۃ و ہذہ الوصاۃ (ص ... فیوض الحرمین)

اس عبارت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شاہ صاحب فقہ میں ... اور
رنگ اور اسلامی علوم پر اتنی قدرت حاصل کر چکے تھے کہ سب سے انھیں
طبعی طور پر کوئی لگاؤ نہ تھا۔ مگر امر تعبدی کی تعمیل میں شاہ صاحب نے
تقلید اختیار فرمائی۔

اسی طرح ایک الہام شاہ صاحب کو یہ بھی ہوا کہ حق کا منشا یہ بھی ہے
کہ امت مرحومہ کی تنظیم اور اس کی شیرازہ بندی کے لیے کوشاں ہو
یہ فروعات میں اپنی قوم کی مخالفت نہ کرے۔

ونعج فی نفعۃ اخری فبین ان مراد الحق فیک ان یجمع
شملا من الامۃ المرحومۃ بک وایاک ان تخالف القوم
فی الفروع فانہ مناقضۃ لمراد الحق (فیوض الحرمین ص۳۲)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو ہندوستان میں دینی تجدید کے لیے مقرر
کیا گیا تھا جیسا کہ عرض کیا گیا ہندوستان ہمیشہ سے فقہ حنفی کا پابند رہا ہے۔
... پوری طور پر فقہ حنفی کی نئی ترتیب و تدوین عمل میں آئی۔ یہی فقہ حکومت
کے ... کا قانون تھا۔ ان حالات میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ
شاہ صاحب اس فقہ کی مخالفت فرمائیں گے اور اپنے لیے کوئی ایسا
راستہ تلاش کریں گے جو قوم کی راہ سے جدا ہو جیسا کہ شاہ صاحب کو
مختلف وقتوں میں فقہ حنفی کی اہمیت اور تمام فقہوں پر اس کی فضیلت
منکشف کیا گیا۔ چنانچہ فیوض الحرمین میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں
مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حنفی فقہ میں ایک
بہترین طریقہ ہے جو دوسرے طریقوں کی بہ نسبت اس سنت کے
زیادہ مطابق ہے جس کی تدوین و تنقیح امام بخاری اور ان کے ساتھیوں کے
زمانے میں ہوئی۔

عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذہب الحنفی طریقۃ انیقۃ
ہی اوفق الطرق بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت ونقحت فی زمان
البخاری واصحابہ (ص۳۴)

مذہب حنفی اختیار کر لینے کے بعد بھی شاہ صاحب کی نظر ...

فقہ شافعی کی عظمت ختم نہیں ہوئی بلکہ ذہنی طور پر آپ شافعی ذہن ...
... تطبیق کا کام کرتے رہے۔ البتہ عملی طور پر آپ نے امام ... کی
کی تقلید ... ضروری تھی۔ چنانچہ ... پٹنہ کی ... لائبریری میں بخاری
شریف کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جس کے حاشیہ پر شاہ صاحب نے
اپنے ایک عزیز شاگرد ... کی اجازت حدیث سے نوازا ہے
وہاں یہ الفاظ بھی ہیں ... شافعی ... حنفی عملاً ... کتاب پر
آپ کے صاحبزادے ... شاہ رفیع الدین کے ... بھی ثبت
ہیں اور شاہ عالم کی مہر تصدیق بھی ... الفرقان کے ولی اللہ نمبر میں اس
کا عکس بھی شائع کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی تقلید میں ... سے ... ہے ...
کا اس سلسلے میں ایک مخصوص طریقہ تھا وہ نری اور جامد محض تقلید
کے قائل نہیں تھے۔ بلکہ جو کچھ ... فرماتے ... البتہ ... اختیار کیا
ہے اور اسے کتاب و سنت کی کسوٹی پر جانچ لیا کرتے تھے۔

حنفی فقہ کا ... ذخیرہ وسیع ہے کہ دوسرے ... بلکہ تمام
مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے اپنے مقالہ ...
زین العابدین ... کے ... الترام ... فقہ حنفی ... سے
یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ مشہور فقیہ ... شرحب
لے گئے۔ ان کی خدمت میں ستر سے فقہاء حاضر ہوئے ... بہت
سے مسائل کے سلسلے میں استفسار کیا جب بھی کوئی مسئلہ پیش ہوتا
... فرماتے کہ اس مسئلے میں ہمارے فلاں امام کی رائے یہ ہے
اور اس میں فلاں امام کی رائے یہ ہے۔ مراد ان کی کبھی ابو یوسف سے
ہوتی کبھی محمد سے اور کبھی ابو حنیفہ سے۔ بعینہٖ یہی رائے فقہ حنفی کے
سلسلے میں حضرت شاہ صاحب کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ ان تینوں ائمہ
میں سے کسی نہ کسی کے یہاں ہر مسئلے میں کوئی نہ کوئی قول ایسا مل جاتا
ہے جو سنت کے زیادہ قریب ہو۔ فرماتے ہیں

وذلک ان یوخذ من اقوال الثلثۃ قول اقربہم بہا فی المسئلۃ،
ثم بعد ذالک یتبع اختیارات الفقہاء الحنفیین الذین کانوا من علماء
الحدیث فرب شیٔ سکت عنہ الثلثۃ فی الاصول وما تعرضوا النفیہ
ودلت الاحادیث علیہ فلیس بد من اثباتہ والکل
مذہب حنفی (فیوض الحرمین ص۴۳)

اس کے علاوہ شاہ صاحب کے ہاں مشروط اجتہاد کی گنجائش بھی
تھی۔ بلکہ ضرورت کے موقع پر اجتہاد پر اصرار بھی تھا۔ موطا امام مالک کی
... کی شرح مصفی میں یہ بحث وضاحت سے تحریر فرمائی ہے
مولانا ... کے الفاظ میں شاہ صاحب ... کا ...

(باقی ۳۲ پر)

فون نمبر
۶۷۵۴۵

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر
۶۰۷۴

منظور شدہ محکمہ تعلیم ۱- لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۹ / ۱۹۳۲۱ مورخہ ۲ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۲۸۱-۸۴ مورخہ ستمبر ۱۹۵۶ء
۳- کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۹/۲۹-۲۰۷۶۷-۹۵۵ مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۶۴ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G.R ۳۴/ -۲۰۳۱۰ مورخہ ۷ مارچ ۱۹۶۷ء

بقیہ : شاہ ولی اللہؒ

یہ ہے کہ ہر زمانے میں اجتہاد فرض کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن یہاں اجتہاد سے مقصود اجتہاد مستقل نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی کا اجتہاد تھا. ہمارا یہ کہنا کہ ہر زمانے میں اجتہاد فرض ہے ، اس کا دوا اصل مطلب یہ ہے کہ چونکہ مسائل آئے دن نئے سے نئے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ان کے بارے میں احکام الٰہی کا جاننا ضروری ہے اور جو کچھ پہلے مدون اور مرتب ہو چکا ہے وہ کافی نہیں ہے. پھر اس میں بھی بہت اختلاف ہوتا ہے نیز یہ اختلافات اس وقت تک حل نہیں ہو سکتے جب تک دلائل کی طرف رجوع نہ کیا جائے اور ان دلائل کا سلسلہ مجتہدین تک سے جایا نہیں جا سکتا. ان حالات میں ان کے سوا اور کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی کہ مسائل کو اجتہاد کے اصولوں پر رکھا جائے.

(شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ضمیمہ ص ۱۶۷)

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے تلامذہ کا سلسلہ اور خود ان کے چاروں جلیل القدر صاحبزادے حنفی ہیں. مولانا عاشق پھلتی جو شاہ صاحبؒ کے عزیز ترین شاگرد بھی ہیں اور قریبی عزیز بھی خود فقہ حنفی کے پیرو ہیں اور شاہ عبدالعزیزؒ کے اس مضمون میں استاذ بھی۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی "عجالہ نافعہ" دیکھی جائے تو حنفی فقہ کے بارے میں ان کے خیالات کا اندازہ ہوتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ اپنے والد کی زبان ہیں. خیالات سب انھی سے لیتے ہیں. شاہ عبدالعزیزؒ سے ولی اللہی علوم شاہ اسحاق دہلویؒ کو ملے ، ان کے ذریعہ شاہ عبدالغنی مجددیؒ مولانا مملوک علیؒ اور مولانا امداد اللہ مہاجر مکیؒ تک پہنچے. ان حضرات سے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اکتساب فیض کیا. جو کام شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے لائق بھتیجے شاہ اسماعیل شہیدؒ نے شروع کیا تھا اسی کام کو ان حضرات نے دیوبند میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھ کر آگے بڑھایا. ولی اللہی فکر کی اشاعت اس مدرسہ کا مقصد رہا. زیادہ دیر نہیں گزرنے کہ اس اسکول سے بہت سے باکمال لوگ باہر آئے. یہ پورا سلسلہ مذہب حنفی ہے اور شاہ صاحب کے افکار کا پورا پابند بھی.

آخر میں نواب صدیق حسن خان کی شہادت پیش کرنا کافی ہوگی. مولانا صدیق حسن خان ہندوستان میں غیر مقلدوں کے امام اور پیشوا خیال کیے جاتے ہیں اس لیے شاہ صاحبؒ اور ان کے ممتاز خاندان کے حق میں ان کی شہادت کو زیادہ اہمیت دی جائے گی. شاہ ولی اللہؒ اور ان کی سیاسی تحریک کے ضمیمے میں نواب صدیق حسن خان کی کتاب الحطہ کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ امام ولی اللہ دہلوی کا مسلک یہ ہے کہ وہ زیر بحث مسائل کو اول تو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں. پھر ان کے متعلق فقہاء کے جو اقوال اور آراء ہیں ان کو کتاب و سنت کی روشنی میں دیکھتے ہیں، جو فقہی اقوال ان دونوں پر پورے اترتے ہیں انھیں تو قبول کرتے ہیں اور جو ان کے خلاف نظر آئیں انھیں رد کر دیتے ہیں اور اس معاملے میں وہ کسی کی پروا نہیں کرتے. یہی کیفیت ان کے پوتے مولانا اسمٰعیل شہید کی ہے. موصوف نے اپنے جد امجد کے اسی طریقہ پر پیروی کی. الغرض جیسا کہ جاہل سمجھتے ہیں آپ نے اسلام میں کوئی نئی بات اپنی طرف سے جاری نہیں کی. شاہ اسماعیل شہیدؒ کا یہ طریقہ حنفی فقہ کے خلاف نہ تھا اور یہی وہ شاہراہ شریعت ہے جس پر اسلاف اور ان کے بعد والے چلتے رہے. یہ گھرانہ حنفی فقہ کا متبع اور پاک نفوس کا حامل تھا.

مولانا عبیداللہ انور پبلشر نے پرنٹر خواجہ شوکت علی پریمیئر پرنٹرز سے چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔